بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلامی شریعت میں شہریوں کے تحفظ سے متعلق جنگی اصول: ایک تقابلی مطالعہ

Comparative Analysis of War Principles Concerning the Protection of Civilians in International Humanitarian Law and Islamic Law

Dr. Asad Ullah
Assistant Professor, Faculty of *Shari'ah* & Law, International Islamic University, Islamabad
Email: asad.ullah@iiu.edu.pk

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
Armed conflicts and wars are governed by principles aimed at protecting civilians, non-combatants, and humanitarian workers. This paper examines four key principles essential for safeguarding non-combatants.
The first principle, distinction, requires that military actions target only legitimate military objectives, ensuring the protection of civilians. The second principle, proportionality, stipulates that any harm must be proportionate to the anticipated military advantage, emphasizing that civilian casualties should be unintentional and within the scope of military objectives. Military necessity, the third principle, restricts warfare to strategic objectives, advocating for the lessor harm of combatants. The fourth principle, precaution, mandates measures to reduce civilian harm before and during attacks. These principles are integral to International Humanitarian Law, focusing on civilian protection.
Islamic Law similarly prohibits harming non-combatants, including women, children, the elderly, and religious figures, while also forbidding unnecessary destruction. It upholds proportionality, military necessity, and precaution, along with broader ethics like justice, mercy, humane treatment, and respect for human dignity. While Islam was an early advocate for these principles, it allows flexibility in extreme situations based on necessity.
This comparative study analyses the similarities and differences between International Humanitarian Law and Islamic Law regarding civilian protection in armed conflicts, highlighting their shared goals and distinct approaches.
Keywords: *War Principles, Protection of Civilians, International Humanitarian Law, Islamic Law*

1. مقدمہ:

دنیا میں جاری شورشوں میں جنگ کو آخری آپشن کے طور پہ استعمال کیا جاتا ہے، جس کا آغاز فریقین عموماً اپنی مرضی سے کرتے ہیں، لیکن اس کا انجام عموماً بھیانک نتائج اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کی تباہی اور ہزاروں شہروں کی بربادی پر منتج ہوتا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ہزارہا دفعہ خونریز جنگیں ہوئیں، بے شمار دفعہ ایسے مواقع آئے کہ فاتحین نے فتح کی گھمنڈ میں دشمن کو کسی رعایت کا روادار نہیں سمجھا، لیکن وسیع تباہی والے اسلحہ (Weapons of Mass Destruction) کے ایجاد میں آنے کے بعد خون آشامی کے جو بھیانک مناظر انیسویں صدی میں دیکھے گئے انسانی تاریخ میں کبھی بھی نہیں پیش آئے، چنانچہ جنگِ عظیم اوّل (1914ء تا 1918ء) میں مجموعی طور پر

85 لاکھ کے لگ بھگ افراد ہلاک ہوئے[1]۔ جنگِ عظیم دوم (1939ء تا 1945ء) میں مجموعی طور پر چار سے پانچ کروڑ انسان ہلاک ہوئے[2]، صرف ایک شہر سٹالن گراڈ میں گیارہ لاکھ افراد متاثر ہوئے[3]۔

جنگ عظیم دوم میں جدید تہذیب و تمدن کے تین بڑے علمبرداروں (امریکہ کے ٹرومین، برطانیہ کے چرچل اور روس کے سٹالن) نے جاپان کا سلسلہ فتوحات روکنے کے لیے ایک اجلاس میں متفقہ طور پر جاپان کی شہری آبادی کو ایٹم بم کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ 6 اگست 1945ء کو ہیروشیما اور 9 اگست کو ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کو آنِ واحد میں صفحہ ہستی سے مٹا دیا[4]۔

یہ وہ صدی تھی کہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم جنگ میں کسی قسم کی اصولوں کی پاسداری کی ضروری نہیں سمجھتے تھے، اس لیے جہاں کہیں انہوں نے غلبہ پایا ہر سامنے آنے والے کو تہہ تیغ کر کے اپنے جوشِ انتقام کو تسکین پہنچائی، اس کا زیادہ تر نشانہ وہ لوگ بنے جو جنگ میں شریک بھی نہیں ہوتے تھے جن کو مفتوح ہونے کے باعث کسی قسم کی رواداری کا مستحق نہیں سمجھا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان فاتحین کے جنگ کا مقصد صرف اپنی طاقت دکھانا، دشمن کو زِچ کرنا، جذبہ انتقام کی تسکین یا مادی فوائد کا حصول جیسے مقاصد تھے، اور وہ جنگ سے قبل یا اس کے بعد اپنے آپ کو خدائی ہدایات کا مکلف نہیں سمجھتے تھے۔

ان دو ہولناک عالمی جنگوں کے نتائج سہہ لینے کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ جنگ میں بھی متحارب فریقوں کو اصول و قواعد کا پابند بنایا جائے۔

اس کے برعکس اسلام جنگ کی اجازت صرف ایک اعلیٰ مقصد کے لیے دیتا ہے جس کی تعبیر "اعلاء کلمۃ اللہ" سے کی جاتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نظام کائنات کو خداوندی ہدایات کے مطابق چلانے کے لیے یا تو سارے لوگ مسلمان ہو جائیں یا کم از کم اسلام کی بالادستی کو تسلیم کر لیں اور اس کے لیے خطرہ نہ بنیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور اسلام کے ساتھ مقابلے پر اتر آتے ہیں یا وہ اسلام کی بالادستی کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں تو اس صورت میں مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ طاقت کا استعمال کر کے ان کو مغلوب کیا جائے۔ انہی عظیم تر مقاصد کی وجہ سے اسلام نے جنگ کا نام بدل کر "جہاد فی سبیل اللہ" رکھ دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾[5]. ترجمہ: تم پر دشمنوں سے جنگ فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر گراں ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بہتر ہو۔

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[6]. ترجمہ: (وہ تجارت جو تمہیں اللہ کے دردناک عذاب سے نجات دلا دے وہ یہ ہے) کہ تم اپنے مال و دولت سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہترین بات ہے اگر تم سمجھو۔

جہاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: "جہاد کے حکم سے خداوندِ قدّوس کا یہ ارادہ نہیں کہ یک لخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں حاکم بن کر رہے اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں، اور امن و عافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کر سکیں اور کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکیں۔ اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ایسی شوکت و حشمت کا دشمن ہے جو اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے خطرے کا باعث ہو۔ جس جنگ کا مقصد یہ ہے کہ عدل و انصاف اور امانت و صداقت کی حفاظت ہو جائے اور رشوت خوری اور چوری اور

بدکاری اور زناکاری اور بد اخلاقی اور بے حیائی اور تمام برائیوں اور خود غرضیوں کا قلع قمع ہو جائے ایسی جنگ بربریت نہیں بلکہ اعلیٰ ترین عبادت ہے اور خلقِ خدا پر انتہائی شفقت ورحمت ہے "[7]۔

اس لیے اسلام میں جہاد کے لیے اصول و قواعد بتائے جس سے اس سے پھیلنے والا نقصان حتی الامکان کم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان اصولوں پر عمل کے نتائج دنیا نے دیکھ لیے کہ اسلام کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں سے فوائد زیادہ حاصل ہوئے اور ان سے نقصان بہت کم ہوا۔ انہی جنگوں کے نتیجے میں انسان کفر کے پردوں سے نکلا، ہدایت کے راستوں پر گامزن ہوا، انسان درندگی اور وحشیت سے نکل کر ہدایت پا گیا۔ اس کے برعکس مال و دولت اور ہوسِ زر کی خاطر جو جنگیں لڑی گئیں اس کی تباہیوں اور نقصانات کو آج تک محسوس کیا جارہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تئیس سالہ زندگی میں اسلام کی دعوت چپے چپے تک پہنچ گئی، کئی جنگیں لڑی گئیں، لیکن جانی نقصان بہت کم ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر راغب سرجانی کی تحقیق کے مطابق چنانچہ غزوہ بدر، سویق، احد، حمراء الاسد، بنی المصطلق، احزاب، بنو لحیان، ذی قرد، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف کو ملا کر 25 یا 27 غزوات اور 38 سرایا میں مجموعی طور پر صرف 262 مسلمان شہید ہوئے، اور 1022 کفار ہلاک ہوئے۔ دونوں اطراف سے ہلاکتوں کی مجموعی تعداد 1284 بنتی ہے۔ یہ تعداد مسلمانوں کی طرف سے لڑنے والے لشکر کی تعداد کا ایک فیصد، جب کہ کفار کے لشکر کا 2 فیصد بنتی ہے، جو کہ مجموعی لحاظ سے دونوں لشکروں کا ڈھائی فیصد بنتی ہے۔

اس کے بالمقابل اگر ہم صرف دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کو دیکھیں تو کچھ رپورٹس کے مطابق تمام متحارب فریقوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ تھی، اور اس کے نتیجے میں مرنے والوں کی تعداد ساڑھے پانچ کروڑ تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والوں کی تعداد باقاعدہ فوج کی تعداد سے تین گنا سے بھی زائد تھی۔ اس ہولناکی کی وجہ یہ تھی کہ تمام شریک افواج بلا استثناء عام شہری آبادی پر لاکھوں ٹن دھماکہ خیز مواد گرا رہی تھیں، جس سے انسانوں کا قتل عام ہوا[8]۔

حضور اکرم ﷺ کی جانب سے ملنے والی جنگ سے متعلق ہدایات کا بعد کے خلفاء اور مسلمان فاتحین نے بھرپور خیال رکھا اور انہوں نے غیر مسلم مفتوح قوم سے رواداری اور انصاف کا جو رویہ رکھا اس پر تاریخ شاہد ہے جس کا خود غیر مسلم مؤرخین کو بھی اعتراف ہے۔

اس کے برعکس جدید دنیا نے جنگیں اس بنیاد پہ لڑیں کہ محبت اور جنگ کے کوئی اصول نہیں ہوتے۔ جس کے نتیجے میں کروڑوں بے گناہوں کے قتل کے بعد انہوں نے جنگ کے لیے کچھ اصول بنائے جو کہ رفتہ رفتہ ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

ان اصول میں کچھ اصول اس نکتے سے متعلق ہیں کہ دوران جنگ، غیر مقاتل یعنی جنگ میں براہ راست شریک نہ ہونے والے افراد کی حفاظت کیسے کی جائے۔ ذیل میں ہم ان اصول کا تذکرہ کرتے ہیں۔

2. بین الاقوامی قانون انسانیت میں شہریوں کے تحفظ سے متعلق اصول:

بین الاقوامی قانون انسانیت (International Humanitarian Law) میں متعدد اصول اور قواعد موجود ہیں جن کا مقصد ان شہریوں کی حفاظت کرنا ہے جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے، یا جو جنگی کارروائیوں میں براہ راست شریک نہیں ہوتے، یا جو انسانی خدمات سرانجام دینے پر مامور ہوتے ہیں جیسے زخمیوں کا علاج وغیرہ۔ ان اصولوں میں تناسب، امتیاز، فوجی ضرورت، اور جنگ کے دوران احتیاطی تدابیر جیسے شامل ہیں۔ ان اصولوں کا تعلق ان ہتھیاروں کی تیاری یا استعمال سے بھی ہے جو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کا باعث بنتے ہیں۔ 1977 کی جنیوا معاہدات (Geneva Conventions) کے اضافی پروٹوکول (ضمیمہ) اول کے آرٹیکل 36 کے مطابق، معاہدے میں شامل ریاستوں پر

لازم ہے کہ وہ کسی بھی ہتھیار کی تیاری سے پہلے ان اصولوں پر عمل کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ایسے ہتھیار نہ بنائے جائیں جو ان جنگی اصولوں کے منافی ہوں۔

ذیل میں ہم ان اصولوں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں:

2.1- امتیاز کا اصول: (Principle of Distinction)

جنگی قوانین اور بین الاقوامی عرفی قانون (Customary International Law) کا ایک بنیادی اصول امتیاز کا اصول ہے، جس کا تقاضا ہے کہ شہریوں (Combatants) اور جنگجوؤں (Non-combatants) کے درمیان، اور عسکری اہداف و شہری آبادی کے درمیان فرق کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ اس اصول کے مطابق، فوجی کارروائیاں صرف عسکری اہداف کے خلاف ہونا ضروری ہے، اور وہ حملے جن میں یہ امتیاز کرنا ممکن نہ ہو ممنوع ہیں۔

بین الاقوامی قانون انسانیت کے پہلے عرفی قاعدہ میں بیان کیا گیا ہے کہ: "تنازع کے فریق ہر وقت شہریوں اور جنگجوؤں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھیں گے، اور حملے صرف جنگجوؤں کے خلاف کیے جائیں گے"[9]۔ اس اصول کی تصدیق بیشتر معاہدوں میں کی گئی ہے، جیسے سینٹ پیٹرزبرگ اعلامیہ 1868 (Saint Petersburg Declaration, 1868)، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ: "جنگ کے دوران ریاستوں کا مقصد دشمن کی فوجی قوت کو کمزور کرنا ہونا چاہیے، اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لڑائی سے الگ رکھنا ضروری ہے، اگر ایسا اسلحہ استعمال کیا جائے جس سے بلاوجہ لوگ ہلاک ہوں یا ان کی تکلیف میں اضافہ ہو تو اس کا استعمال انسانی قوانین کی خلاف ورزی تصور ہوگی"[10]۔

اسی اصول کو جنیوا معاہدات اور اضافی پروٹوکولز میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ جنیوا معاہدات کے 1977 کے پہلے اضافی پروٹوکول کے آرٹیکل 48 میں ذکر کیا گیا ہے کہ: "تنازع کے فریق شہریوں اور جنگجوؤں کے درمیان، اور شہری املاک اور عسکری اہداف کے درمیان فرق کریں گے، اور اپنی کارروائیاں صرف عسکری اہداف کے خلاف محدود رکھیں گے تاکہ عام شہریوں اور شہری املاک کا احترام اور تحفظ یقینی بنایا جا سکے"۔ آرٹیکل 51 (4) ان بلاامتیاز حملوں کو ممنوع قرار دیتا ہے جو کسی مخصوص عسکری ہدف کو نشانہ نہیں بناتے یا جن میں کوئی ایسی طریقہ یا ذریعہ کو استعمال کیا جاتا ہے جو کسی مخصوص عسکری ہدف کو نشانہ بنانے کے قابل نہیں ہوتا[11]۔

اسی طرح 1998 کے بین الاقوامی فوجداری عدالت کے منشور (The Rome Statute of the International Criminal Court) کے آرٹیکل 8 میں قرار دیا گیا ہے کہ جنگی جرائم (War Crimes) کے زمرے میں یہ بھی شامل ہے کہ "جان بوجھ کر شہری آبادی یا ایسے شہریوں پر حملے کیے جائیں جو براہ راست جنگی کارروائیوں میں شامل نہ ہوں"[12]۔

2.2- تناسب کا اصول: (Principle of Proportionality)

بین الاقوامی قانون انسانیت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول تناسب کا اصول بھی ہے، جس کا مقصد حملوں اور فوجی قوت کے استعمال میں تناسب کو برقرار رکھنا ہے۔ اس اصول کے مطابق، فوجی کارروائیوں میں طاقت کے استعمال کے نتیجے میں دشمن کو پہنچنے والے نقصان اور حاصل کیے جانے والی فوجی فوائد کے درمیان توازن کا برقرار رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے بموجب ریاستوں پر اس بات کی یقین دہانی ضروری ہے کہ مسلح حملوں کے دوران شہریوں کو اموات اور غیر ضروری تکلیف سے بچایا جائے، اور اگر شہریوں کا کچھ نقصان ہو بھی تو وہ غیر ارادی ہو اور عسکری مقاصد کے دائرے میں محدود ہو[13]۔

تناسب کا اصول بین الاقوامی (International Armed Conflict) اور غیر بین الاقوامی (Non-International Armed Conflict) دونوں طرح کے مسلح تنازعات میں بین الاقوامی عرفی قانون کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ بین الاقوامی عرفی انسانی قانون کے قاعدہ 14 میں کہا گیا ہے کہ: "ایسا حملہ ممنوع ہے جس کے بعد ہونے والا شہریوں کا جانی ومالی نقصان فوجی فوائد کے مقابلے میں غیر متناسب ہو"[14]۔

تناسب کے اس اصول کو پہلے اضافی پروٹوکول کے آرٹیکل 51 (5)(ب) میں بھی تسلیم کیا گیا ہے، اور آرٹیکل 57 میں اس کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے[15]۔ علاوہ ازیں روایتی ہتھیاروں سے متعلق معاہدے کے دوسرے پروٹوکول (The Convention on Certain Conventional Weapons) کے ترمیم شدہ مسودے کے آرٹیکل 3 (3) اور 3 (8) میں بھی اس اصول کا اعادہ کیا گیا ہے[16]۔

بین الاقوامی فوجداری عدالت کے منشور کے مطابق، اگر کوئی حملہ جان بوجھ کر اس علم کے ساتھ کیا جائے کہ اس سے شہریوں میں اموات ہوں گی یا شہری املاک کو نقصان ہوگا اور یہ نقصان متوقع فوجی فوائد کے مقابلے میں واضح طور پر غیر متناسب ہو، تو یہ بین الاقوامی مسلح تنازعات میں جنگی جرم قرار پاتا ہے[17]۔

2.3- فوجی ضرورت کا اصول: (Principle of Military Necessity)

بین الاقوامی قانون انسانیت کے اصولوں میں سے ایک اور اہم اصول فوجی ضرورت کا اصول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فوجی کارروائیاں صرف فوجی ضرورت کے دائرے میں ہونی چاہئیں۔ اس اصول کے بموجب تنازع کے فریقین پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کا استعمال ان اہداف تک محدود رکھیں جو ان کے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہوں، اور وہ اہداف قانونی اور جائز ہوں۔ مثال کے طور پر، اگر قیدی بنا کر مطلوبہ مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہو، تو زخمی کرنا غیر قانونی تصور ہوگا اور اگر زخمی کرنے سے مقصد پورا ہوتا ہو، تو قتل کرنا غیر قانونی تصور ہوگا[18]۔

متعدد بین الاقوامی معاہدات میں اس اصول پر زور دیا گیا ہے۔ 1868 کے سینٹ پیٹرزبرگ اعلامیے میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جنگی ضروریات اور انسانیت کے قوانین کے درمیان ہم آہنگی ہونی چاہیے[19]۔ اسی اصول کا ذکر 1907 کی دی ہیگ کنونشن (Hague Convention) میں زمینی جنگ کے قوانین کے احترام کی تمہید میں بھی آیا ہے[20]۔

فوجی ضرورت کی حد سے تجاوز کی ایک مثال ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے ایٹمی بم ہیں، جن کے اثرات آج تک موجود ہیں۔ ان بموں کا استعمال ان عسکری مقاصد (قطع نظر اس سے کہ وہ مقاصد کس حد تک قانونی تھے) سے کہیں زیادہ تھا جن کے حصول کے لیے انہیں گرایا گیا تھا۔ بین الاقوامی قانون انسانیت کا مقصد ایسے اقدامات کو روکنا ہے اور فوجی ضرورت کے اصول کے تحت یہ یقینی بنانا ہے کہ حملے صرف ضروری حالات میں اور جائز حدود میں رہ کر کیے جائیں۔

مثال کے طور پر، اگر کسی ریاست کا مقصد کسی قیدی یا دہشت گرد کو جیل میں ہلاک کرنا ہو، تو اسے ایسے ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں جو آس پاس کی عمارتوں کو نقصان پہنچائیں یا دیگر افراد کی جانوں کو خطرے میں ڈالیں[21]۔

2.4- احتیاط کا اصول:(Principle of Precaution in Attack)

بین الاقوامی عرفی قانون کے اصولوں -جن کا بین الاقوامی اور غیر بین الاقوامی مسلح تنازعات میں خیال رکھنا ضروری ہے- میں ایک اہم اصول حملے میں احتیاط کا ہے۔ یہ اصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حملے سے پہلے اور حملے کے دوران ایسے ضروری اقدامات کیے جائیں جن سے املاک اور انسانی جانوں کو، خاص طور پر شہریوں اور غیر شریک افراد کو، غیر ضروری نقصان نہ پہنچے۔

حملے میں احتیاط کے اصول کا ذکر پہلے اضافی پروٹوکول کے آرٹیکل 57 (2)(ا) میں ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ "حملے کی منصوبہ بندی یا فیصلہ کرنے والے کو حملے کے ذرائع اور طریقوں کے انتخاب میں تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں تاکہ بلاوجہ شہریوں کی جانوں یا شہری املاک کو نقصان نہ پہنچے اور اگر نقصان کا خطرہ ہو بھی تو اسے ممکنہ حد تک کم تر رکھا جائے"[22]۔

اسی اصول کو بین الاقوامی عرفی انسانی قانون کے قاعدہ نمبر 15 میں بھی تسلیم کیا گیا ہے، جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ "فوجی کارروائیوں کے دوران شہری آبادی، شہری افراد اور شہری املاک کو نقصان سے بچانے کے لیے ہر ممکن احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور شہریوں کی جانوں یا شہری املاک کو نقصان پہنچانے سے بچنے یا اسے محدود کرنے کے لیے ہر ممکن عملی اقدامات کیے جانے چاہئیں"[23]۔

اس اصول کے تحت تنازع کے فریقین پر لازم ہے کہ وہ دور دراز کے اہداف کو نشانہ بنائیں یا اگر ہدف گنجان آباد علاقوں میں ہو تو بہت زیادہ احتیاط برتیں۔ اگر دشمن کسی اہم املاک جیسے تیل کے پائپ لائنز، ٹینکوں، یا طیاروں کے قریب ہو تو خاص احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ غیر ضروری نقصان نہ ہو[24]۔

3. اسلامی قانون میں شہریوں کے تحفظ سے متعلق جنگ کے اصول

3.1- اسلام میں جنگ کے اصول:

اسلام بھی ان سابقہ جنگی اصولوں کی توثیق کرتا ہے، ان پر زور دیتا ہے بلکہ دیگر قوانین سے بہت پہلے اسلام نے ان اصولوں کو روشناس کرایا اور غیر جنگی اہداف، شہریوں اور جنگ سے الگ رہنے والے افراد کے تحفظ، قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، اور لوگوں کے مال اور عزت کے تحفظ کا حکم دیا۔ یہ اصول قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث، خلفائے راشدینؓ کے ارشادات، اور بعد کے فقہاء کرامؒ کی اجتہادی کاوشوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ جنگ کے احکام کے لیے اسلامی فقہ میں "سیر"، "مغازي" یا "آداب القتال" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ فقہاء نے جنگ و امن کے احکام کو وضاحت سے بیان کیا، اور انہی کی کوششوں کے نتیجے میں اس موضوع پر کئی اہم کتب معرض وجود میں آئیں۔

اسلام عدل اور انسانیت کا حکم دیتا ہے، اور برابری کے اصول کے مطابق معاملہ کرنے کا درس دیتا ہے، اور جارحیت سے روکتا ہے۔ اس اصول کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے: ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾[25]. ترجمہ: اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کے ساتھ اسلام رحمت اور انسانیت کی عظمت کی تلقین کرتا ہے، مثلہ کرنے اور دھوکہ دہی سے روکتا ہے، اور جنگ کو صرف شدید ضرورت کے حالات میں ہی جائز قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوجوں کو جو وصیتیں فرمائیں، ان میں ان اصولوں پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ سلمان بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا دستے پر امیر مقرر کرتے تو اُسے اللہ سے ڈرنے اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتے، پھر فرماتے: "اغزوا باسم الله في سبيل الله، قاتلوا من كفر بالله، اغزوا ولا تغلّوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليداً، وإذا لقيت عدوّك من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال، فأيتهن ما أجابوك فاقبل منهم وكفّ عنهم ..."[26]. ترجمہ: اللہ کے نام پر، اللہ کی راہ میں جنگ کرو، ان سے لڑو جو کافر ہیں، اجتماعی مال میں خیانت نہ کرو، غداری نہ کرو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ اور جب دشمن تمہارے سامنے آئے تو اسے تین چیزوں کی دعوت دو، وہ ان میں سے جو بھی قبول کرے تو انہیں چھوڑ دو...۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو فرماتے: "انطلقوا باسم الله وبالله وعلى ملّة رسول الله، ولا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا امرأة، ولا تغلّوا، وضمّوا غنائمكم وأصلحوا وأحسنوا، إن الله يحب المحسنين"[27]. ترجمہ: اللہ کے نام سے، اللہ کی مدد سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی ملت پر جاؤ، نہ بوڑھے کو قتل کرو، نہ بچے کو، نہ عورت کو، نہ غنیمت میں خیانت کرو۔ اور غنیمت کو اپنے قبضے میں رکھو، آپس میں صلح کرو اور بھلائی کرو، بے شک اللہ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی فوجیں روانہ کرتے تو فرماتے: اللہ کے نام پر نکلو، اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو اللہ کا انکار کرتے ہیں، غداری نہ کرو، خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچوں اور عبادت خانوں میں مقیم لوگوں کو قتل نہ کرو۔[28]

حضرت ابو بکرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی جانب روانگی کے وقت جو نصیحتیں کیں ان میں یہ بھی فرمایا: کسی عورت، بچے یا بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد بستی کو نہ برباد کرنا، کسی بکری یا اونٹ کو صرف کھانے کے لیے ہی ذبح کرنا، کھجور کے درخت کو نہ جلانا اور نہ ہی بکھیرنا، خیانت نہ کرنا اور نہ بزدلی دکھانا[29]۔

ان واضح ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہری املاک اور جنگ سے الگ رہنے والوں کے تحفظ پر زور دیا، اور ان کے قتل سے منع فرمایا۔ ایک جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "یہ تو لڑنے والی نہیں تھی"[30]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل سے منع کرنے کی وجہ جنگ میں شرکت نہ کرنا تھا۔ لہٰذا یہ حکم ان تمام لوگوں کو شامل ہیں جو جنگ میں براہ راست حصہ نہیں لیتے،، جیسے بوڑھے، راہب، بچے، مزدور، کھیتوں میں کام کرنے والے اور ہنر مند افراد۔

اس اصول پر تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے، علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: "وأجمع العلماء على القول بجملة هذا الحديث ولا يجوز عندهم قتل نساء الحربيين ولا أطفالهم لأنهم ليسوا ممن يقاتل في الأغلب, والله عز وجل يقول: "وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم"، واختلفوا في النساء والصبيان إذا قاتلوا فجمهور الفقهاء على أنهم إذا قاتلوا قتلوا"[31].

یعنی فقہاء کرامؒ کا اس پر اجماع ہے کہ حربی کفار کی خواتین اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لیے وہ عموماً جنگ میں حصہ نہیں لیتے، اور اللہ کا فرمان ہے: کہ اللہ کے رستے میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں۔ البتہ جب وہ جنگ میں باقاعدہ شریک ہوں تو اس کے بعد ان کے قتل میں فقہاء میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء ایسی صورت کے ان کے قتل کے جواز کے قائل ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یہ لوگ قتل سے اس وقت تک مستثنیٰ ہیں جب تک وہ جنگ میں شریک نہ ہوں، اگر وہ جنگ میں باقاعدہ شریک ہوں تو پھر وہ اس حکم سے مستثنیٰ نہیں، اور باقی کفار کی طرح ان کو مارنا جائز ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "ولو قاتل واحد منهم قتل، وكذا لو حرّض على القتال، أو دلّ على عورات المسلمين، أو كان الكفرة ينتفعون برأيه، أو كان مطاعاً، وإن كان امرأة أو صغيراً؛ لوجود القتال من حيث المعنى"[32].

یعنی اگر ان میں سے کسی ایک نے جنگ میں حصہ لیا تو اسے قتل کرنا درست ہو گا۔ اسی طرح اگر وہ کفار کو جنگ پر اُبھارتے ہوں، یا مسلمانوں کی جاسوسی کرتے ہوں، یا کفار اس کی رائے سے فائدہ اٹھاتے ہوں، یا وہ ان کا لیڈر ہو، چاہے وہ عورت ہو یا بچہ، تو ان کو قتل کرنا جائز ہو گا، اس لیے کہ یہ بھی ایک طرح سے جنگ میں شرکت ہی ہے۔

اس سے "اسلامی قانون جنگ" کا یہ ایک اہم اصول بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو مارنے کی اجازت نفسِ کفر ہے یا محاربہ ہے؟ فقہاء کرامؒ کی تصریحات کے مطابق ان کے قتل کی علت نفسِ کفر نہیں بلکہ محاربہ ہے، اور اسی بنیاد پر جنگ میں شرکت نہ کرنے والے افراد کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام سرخسیؒ اس ضمن میں "شرح السیر الکبیر" میں فرماتے ہیں: "وإنما حرم قتلهم لتوفير المنفعة على المسلمين، أو لانعدام العلّة الموجبة للقتل وهي المحاربة، لا لوجود عاصم أو مقوّم في نفسه"[33].

یعنی کفار کے خواتین اور بچوں کو مارنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ان کے قید ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو نفع ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں قتل کی علت یعنی محاربہ نہیں پائی جا رہی۔ ان کا قتل اس وجہ سے ممنوع نہیں کہ فی نفسہ ان کی جانیں معصوم ہیں۔

ان اصول میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر کافروں کو مارنے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی جانیں خطرے میں آتی ہوں جنہیں قتل کرنا جائز نہیں تو ایسی صورت میں اسلام کفار کے قتل سے روکتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾[34]. ترجمہ: اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا۔ (تو بھی تمہارے ہاتھ سے فتح ہو جاتی مگر تاخیر) اس لئے (ہوئی) کہ خدا اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر لے۔ اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے۔

علامہ سعدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل قتال پر ابھارنے والے امور کا بیان فرمایا، پھر ایک رکاوٹ کا ذکر کیا کہ مشرکوں کے درمیان کچھ مؤمن مرد و خواتین اس طرح سے موجود تھے کہ ان کو نقصان سے بچانا یا الگ رکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہی مؤمن مرد و خواتین کے سبب سے مسلمانوں کو قتال سے روک دیا گیا تاکہ ان کی جانیں محفوظ رہیں، اور کفار کے ساتھ ان کی جانیں خطرے میں نہ آئیں"[35]۔

ان اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اسلام برابری کے ساتھ معاملہ کرنے اور حد سے تجاوز نہ کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ کفار کے ظالمانہ سلوک کے بدلے میں مشرکین کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا: [36]﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾[37]". ترجمہ: اور اگر تم ان کو تکلیف دینا چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے، اور صبر ہی کرو اور تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بد اندیشی کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہو۔

ان تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام جنگ میں مداخلت نہ کرنے والے شہریوں اور جنگ میں شریک افراد کے درمیان فرق کا اصول اپناتا ہے، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، راہبوں، مزدوروں، کاشتکاروں اور امدادی کارروائی میں شریک افراد کے قتل سے منع کرتا ہے، عمارتوں، باغات، سڑکوں اور دیگر املاک کی بربادی سے روکتا ہے، اور ماحولیات کے تحفظ پر زور دیتا ہے۔ اسلام تناسب، فوجی ضرورت، اور احتیاط کے اصول کی تاکید کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی اصول جیسے انصاف، رحم، حسن سلوک، حد سے تجاوز نہ کرنا، انسانیت کی تکریم، دھوکہ دہی کی ممانعت، اور دیگر اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

اسی بنا پر اسلام ان تباہ کن ہتھیاروں کو بھی حرام قرار دیتا ہے جو مجرم و بے گناہ، جنگجو و شہری، مرد و عورت، جوان و بچہ، اور بوڑھوں کے درمیان تمیز نہیں کرتے۔

یہاں ایک اشکال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کہ کچھ احادیث میں جنگ کو دھوکہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "الحرب خدعة".[38] یعنی جنگ چال کا نام ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ گویا جنگ میں اسلام دھوکہ دہی، عہد شکنی یا دغا دینے کے جواز کا قائل ہے۔ اس حدیث کا مطلب دھوکہ دہی (Perfidy) نہیں بلکہ جنگی چال (Ruses of War) ہے، مثلاً رات کے آخری پہر دشمن کو جالینا، تاکہ وہ جنگ کے لیے تیاری سے قبل ہی مسلمان لشکر کا سامنا کرنے کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ امام نووی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: "اتفق العلماء على جواز خداع الكفار في الحرب كيف أمكن الخداع إلا أن يكون فيه نقض عهد أو أمان فلا يحل".[39]

یعنی دوران جنگ کافروں کے ساتھ ممکنہ طریقہ سے جنگی چال چلنا جائز ہے، الا یہ کہ کوئی عہد و پیمان ہو تو اس کو توڑنا جائز نہیں۔

ان نصوص سے یہ خوب واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے ان تمام اصول کو بین الاقوامی قانون انسانیت سے بہت پہلے دنیا کے سامنے متعارف کروائے، اور ان پر مکمل عمل اسلام ہی کا خاصہ ہے۔ اس کے برعکس جدید دنیا کا اس میدان میں سبقت کا دعویٰ مخدوش ہے۔

دوسری جانب بین الاقوامی قانون انسانیت کی جانب سے ان اصول کو متعارف کرانے کے بعد بھی ان قوانین اور انسانی حقوق کے علمبرداروں نے ان اصول سے ہزارہا دفعہ روگردانی کی ہے اور ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ہے جو کہ گزشتہ اور موجودہ صدی کی خون آشام تاریخ سے واقفیت رکھنے والے ہر ذی شعور پر واضح ہے۔

3.2- غیر معمولی حالات:

واضح رہے کہ سابقہ عنوان کے تحت مذکور ہدایات اور اصول عام حالات کے لئے ہیں، جبکہ غیر معمولی حالات کے لئے مختلف احکام موجود ہیں، اور ایسے حالات میں حکم مختلف ہو سکتا ہے، ان استثنائی صورتوں کو بین الاقوامی قانون انسانیت بھی تسلیم کرتا ہے۔

چنانچہ عام حالات میں شہریوں کو جان بوجھ کر قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر وہ غیر ارادی طور پر حملہ کی زد میں آجائیں، جیسے دشمن پر رات کے وقت حملہ کرنے سے جب معصوم جانوں کا قتل ناگزیر ہو جائے، تو یہ بقدر ضرورت جائز ہے۔ صعب بن جثامہؓ کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں اور خواتین کے بارے میں سوال کیا گیا جو رات کے حملے میں متاثر ہو جاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ انہی میں سے ہیں"[40]۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مشرکین کی خواتین اور بچوں کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان کو قتل کرنے سے دیگر نصوص میں منع کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غیر ارادی طور پر قتل ہو جائیں تو یہ قابل گرفت نہیں۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے اس

حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اگر اس حدیث پر عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کا اعتراض کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت ان کے الگ ہونے کی حالت میں ہے۔ اگر وہ غیر ارادی طور پر ضمناً مارے جائیں، جب کہ اصل مقصد صرف بڑی عمر کے افراد کو مارنا ہو تو اس میں حرج نہیں [41]۔

فقہاء کرامؒ نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دشمن پر رات کے وقت حملہ کرنا جائز ہے اگرچہ اس سے عورتوں اور بچوں کا قتل غیر ارادی طور پر ہو۔ "الموسوعة الفقهية الكويتية" کی عبارت ہے: صرّح جمهور الفقهاء بأنه يجوز تبييت الكفار وهو كبسهم ليلًا وقتلهم على غفلة، ولو قتل في هذا التبييت من لا يجوز قتله من امرأة وصبي وغيرهما كمجنون وشيخ فانٍ، إذا لم يقصدوا؛ لحديث الصعب بن جثامة.[42] ترجمہ: فقہاء کی اکثریت نے یہ تصریح کی ہے کہ کفار پر رات کے وقت بے خبری میں اچانک حملہ کرنا جائز ہے، چاہے اس کی زد میں عورتیں، بچے، پاگل، اور بوڑھے بھی متاثر ہوں، بشرطیکہ ان کا قتل ارادی طور پر نہ ہو، جیسا کہ صعب بن جثامہؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔

فقہاء نے اسی اصول کے تحت اس بات کی اجازت دی ہے کہ دشمن اگر کسی قلعے میں محصور ہو اور حملے کے نتیجے میں بچوں یا بوڑھوں کی جانوں کا خطرہ ہو، یا اگر دشمن نے ان معصوم افراد کو یا مسلمان قیدیوں کو انسانی ڈھال بنایا ہو، تو ان پر بقدرِ ضرورت حملہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسی صورتحال میں اس اہم اصول کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایسی کارروائی میں نیت صرف جنگجوؤں کو مارنے کی ہو، تاکہ معصوم افراد کا قتل ضمناً (Collateral Damage) ہو ارادتاً نہ ہو۔

امام سرخسیؒ نے "شرح السير الكبير" میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

> "اگر دشمن اپنے قلعوں میں محصور ہو، تو ان قلعوں کو جلانا یا ڈبونا جائز ہے، چاہے ان میں مسلمان قیدی یا ایسے لوگ ہوں جنہیں امن دیا گیا ہو یا نہ ہوں۔ تاہم، اگر دشمن کو کسی اور طریقے سے زِچ کرنے کا موقع ہو، تو بہتر یہ ہے کہ ان کے قلعوں کو جلانے یا ڈبونے سے گریز کیا جائے، کیونکہ اس سے وہاں موجود مسلمانوں یا ان کے بچوں اور خواتین کا نقصان ہو گا، اور ایسا کرنا شرعاً حرام ہے۔ اس عمل کی اجازت صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے جب ضرورت ہو، بایں طور کہ دشمن تک پہنچنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو، یا دوسرے طریقے سے پہنچنا بہت مشکل یا شدید تکلیف کا باعث ہو، ایسی صورت میں، ان مشکلات سے بچنے کے لیے، ان کے قلعوں کو جلانے یا ڈبونے کی اجازت ہے۔ یہ تفصیل اس وقت بھی ہے جب دشمن مسلمانوں یا ان کے بچوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہوں۔ تاہم ان تمام صورتوں میں حملہ کے لیے ضروری ہے کہ کارروائی کرتے وقت صرف دشمن کے جنگجوؤں کو نشانہ بنانے کا ارادہ کیا جائے۔ اس لیے کہ عمومی صورتوں میں بچوں کو نشانہ بنانے سے گریز اگر ممکن ہو تو اس سے بچنا ضروری ہے، اور اگر بچنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ارادتاً تو بچوں سے مارنے سے گریز کرنا چاہیے گو کہ غیر ارادی طور پر وہ نشانہ بنیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[43][44]۔

علامہ ابن رشدؒ "بداية المجتهد" میں فرماتے ہیں: فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے قلعوں پر منجنیق کے ذریعے حملہ کیا جا سکتا ہے چاہے اس میں خواتین اور بچے موجود ہوں یا نہ ہوں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے طائف والوں کے خلاف منجنیق کا استعمال کیا تھا۔[45]

ابن قدامہ نے بھی "المغني" میں اس بات کی وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں: اگر دشمن جنگ میں اپنی عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنالیں، تو ان پر منجنیق سے حملہ جائز ہے، لیکن حملے کے ذریعے جنگ میں شریک افراد کو نشانہ بنانے کا ارادہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے کفار

کو منجنیق سے نشانہ بنایا تھا جبکہ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ نیز مسلمانوں کا اس طرح کے حالات میں ان سے تعرض نہ کرنے سے جہاد کا فریضہ معطل ہو جائے گا، کیونکہ ایسی صورت میں جب بھی دشمن کو مسلمانوں کے حملے کا اندیشہ ہو گا تو وہ عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنالیں گے، جس سے جہاد رک جائے گا[46]۔

ان تمام نصوص سے ثابت ہوا کہ استثنائی حالات کے احکام عام حالات سے مختلف ہوتے ہیں۔ جو عمل عام حالات میں حرام ہو سکتا ہے، وہ ضرورت اور استثنائی صورت میں جائز ہو جاتا ہے۔

ان استثنائی حالات میں ایک اصول "معاملہ بالمثل" (Reciprocity) کا بھی ہے۔ اس لیے اگر دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرے جو جنگجو اور شہری کے درمیان فرق نہیں کرتے، تو اس کا جواب دینا بھی استثنائی حالات میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں قرآن مجید نے بعض آیات میں اسی طرح سے جواب دینے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾[47]. ترجمہ: اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں۔ پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔

ایک اور آیت میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾[48]. ترجمہ: اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔

لہٰذا، معاملہ بالمثل کی صورت میں ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان کا مقصد شہریوں اور بے گناہوں کو نشانہ بنانا نہ ہو، بلکہ ان افراد کو نشانہ بنانا ہو جن کو نشانہ بنانا جائز ہے۔ اگر ضرورت کی حالت میں خواتین اور بچوں کا قتل غیر ارادی طور پر ہو جائے اور وہ ضرورت کے مطابق ہو تو ایسا کرنا اسلامی قانون کے رو سے جائز ہے۔

لیکن یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے جب ان ہتھیاروں کے عدم استعمال پر کوئی معاہدہ نہ ہو۔ اگر مسلم ریاست نے کسی ایسے معاہدے پر دستخط کیے ہوں، تو اس پر عمل ضروری ہے اور ان ہتھیاروں کے استعمال سے اس وقت تک اجتناب لازم ہے، جب تک دشمن اپنے عہد پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[49]. ترجمہ: اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول و قرار (پر) قائم رہو۔ بے شک خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا عمومی حکم ہے: ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[50]. ترجمہ: اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔

4. بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلامی شریعت کا تقابل:

سابقہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ایسے اصول جو غیر مقاتل افراد اور جنگ میں شریک افراد کے درمیان فرق کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلامی شریعت دونوں میں موجود ہیں اور دونوں میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن دونوں مندرجہ ذیل وجوہ سے فرق ہے:

1- پہلا فرق ان اصول میں سبقت کا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی کہ اسلام نے ہی ان اصول کو سب سے قبل متعارف کروایا اور حضور اکرم ﷺ نے ان تمام اصول کی طرف رہنمائی کی۔ جب کہ بین الاقوامی قانون انسانیت کی تاریخ دو صدیوں سے پرانی نہیں۔

2- دوسرا فرق ان اصول پر عمل کا ہے، کہ اسلام نے جو جنگی اصول بتلائے چاہے ان کا تعلق شہری آبادی کی حفاظت سے ہو، عہد وپیمان پورا کرنے سے ہو یا دیگر عمومی جنگی اصول ہو، ان پر سختی سے عمل کرنے کا بھی حکم دیا اور ان پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ اور عین فتح کو سامنے دیکھ کر بھی ان اصول پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

اس کی ایک مثال امام ترمذیؒ نے اپنے سنن میں نقل کی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان کچھ مدت کے لیے عہد وپیمان تھا، جب اس کے اختتام کا وقت قریب آیا تو حضرت معاویہؓ ان کے شہروں میں داخل ہوئے تاکہ جیسے ہی عہد کی مدت تمام ہو تو ان پر حملہ کر دیں، اچانک ایک آدمی کو اپنی سواری پر دور سے آتے ہوئے دیکھا وہ زور زور سے کہہ رہے تھے: "الله أكبر، وفاءٌ لا غدر". کہ تمہاری طرف سے ایفائے عہد ہونا چاہیے نہ کہ بدعہدی۔ دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے، انہوں نے آکر بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس کا کسی قوم کے ساتھ عہد وپیمان ہو تو جب تک اس کی مدت ختم نہ ہو جائے یا اس عہد کے اختتام سے دشمن کو مطلع نہ کر دیا جائے تو ہر گز عہد نہ توڑا جائے۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر پورے لشکر سمیت واپس ہو گئے (51)۔

بلکہ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ان اصول پر اگر کسی وجہ سے عمل نہ ہو سکا تو اس کا مداوا بھی کیا گیا۔ چنانچہ یرموک کی لڑائی کے وقت حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے غیر مسلموں کا خراج انہیں واپس کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہم نے حفاظت اور دفاع کا جو وعدہ کیا تھا ابھی اس حالیہ لڑائی کی وجہ سے ہم اسے پورا نہیں کر سکتے۔ (52)

اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی مدّتِ خلافت میں جب قتیبہ بن سعید نے سمرقند فتح کیا تو وہاں کے لوگ شکایت لے کر خلیفہ وقت کے پاس آئے کہ قتیبہ نے اسلام کی دعوت اور کسی اعلان کے بغیر دھوکے سے سمرقند والوں سے جنگ کی ہے تو عمر بن عبد العزیز نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ وہ ایک قاضی مقرّر کرے جو فریقین کا مؤقف سن کر فیصلہ کرے اور اگر فیصلہ مسلمانوں کے خلاف آئے تو مسلمان وہاں سے نکل جائیں۔ "جمیع بن حاضر الناجی" (جو خود بھی مسلمان تھے) کو قاضی مقرر کیا گیا۔ صورتِ حال سن کر اس نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ دیا۔ خلیفہ کے حکم کے بموجب مسلمان نکلنے کے لیے آمادہ تھے لیکن اہلِ سمرقند نے دوبارہ جنگ ناگوار سمجھ کر مسلمانوں کو حسبِ سابق ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ (53)

اس کے علاوہ بھی تاریخ اسلام میں بے شمار دفعہ مسلم فاتحین کی طرف سے اس کے عملی مظاہر دیکھنے کو ملے۔ اس کے برخلاف دیگر غیر مسلم فاتحین یا تو ان جنگی اصول کے سرے سے قائل ہی نہیں تھے، یا کسی حد تک قائل ہونے کے باوجود اس پر عمل کے روادار نہیں تھے۔ جس کے کچھ مظاہر کا ذکر مقدمہ میں کیا گیا۔

3- تیسرا اہم فرق یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون انسانیت تمام مذاہب کے درمیان برابری کا دعوے دار ہے۔ (قطع نظر اس سے کہ یہ قانون اس برابری پر حقیقی معنوں میں کتنا عمل پیرا ہے) یہ قانون کسی مذہب کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتا، اس لیے اس کی رو سے اسلام اور دیگر تمام ادیان برابر ہیں، بنابرایں وہ ان اصول کے سب پر یکساں اطلاق کا قائل ہے۔

اس کے برعکس اسلام اپنے لیے بالادستی کا دعویدار ہے، اسلام اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ موسی علیہ السلام کے زمانے میں یہودیت برحق دین تھا، تاآنکہ حضرت عیسی علیہ السلام کے آنے سے وہ منسوخ ہو گیا۔ پھر عیسائیت برحق دین تھا، جو کہ اسلام کے آنے سے منسوخ ہوا۔

اب آخری زمانے میں اسلام ہی برحق اور مقبول دین ہے، جس کو تمام ادیان پر فوقیت حاصل ہے، اور اس کے بالمقابل باقی تمام ادیان آپس میں برابر ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾[54]. ترجمہ: بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے .

مزید ارشاد ہے:﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[55].ترجمہ: جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اسی وجہ سے اس برحق نظام کو کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا جو باقی ادیان کو نہیں دی گئیں۔ یہی خصوصیات کسی زمانے میں یہودیت کے پاس تھیں، پھر یہ خصوصیات عیسائیت کے حصے میں آئیں، اور اسلام کے آنے کے بعد وہ خصوصیات اسلام کو دی گئیں۔ چنانچہ جن خصوصیات کا اسلام دعوی کرتا ہے وہ کسی کے اختراع یا کسی معاہدے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔

انہی خصوصیات کے تئیں اسلام کو یہ حق دیا گیا کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو اسلام لانے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور کریں۔ اب یہ خصوصیت صرف اسلام کے پاس ہی ہے، کسی اور دین کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس بالادستی کے دعوے کے بعد اسلام جن اصول پر عمل کو جنگ کے دوران ضروری قرار دیتا ہے اس میں یہ پہلو نمایاں طور پہ نظر آتا ہے کہ یہ تمام استحقاقات کافروں کو حاصل نہیں، گو کہ طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو پابند نہ بنا سکیں۔

5. خلاصہ بحث:

سابقہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران ایسے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا انتہائی ضروری ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ ان میں عام شہری، عورتیں، بچے، بوڑھے، راہب، مزدور، کاشتکار، ہنر مند افراد اور امدادی کارروائی میں شریک افراد شامل ہیں۔ ان تمام افراد کے تحفظ کے لیے اسلام نے چودہ صدی قبل اصول روشناس کرائے۔ یہ اصول قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث، خلفائے راشدینؓ کے ارشادات، اور بعد کے فقہاء کرامؒ کی اجتہادی کاوشوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں اسلام تناسب، فوجی ضرورت، اور احتیاط کے اصول کی تاکید کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی اصول جیسے انصاف، رحم، حسن سلوک، حد سے تجاوز نہ کرنا، انسانیت کی تکریم، دھوکہ دہی کی ممانعت، اور دیگر اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

بین الاقوامی قانون انسانیت میں جنگ کے کافی اصول متعارف کرائے گئے ہیں، جن میں چار کا تعلق جنگ میں شرکت نہ کرنے والے افراد کے تحفظ سے ہے، پہلا اصول شہریوں اور فوجیوں میں امتیاز سے متعلق ہے۔ دوسرا اصول حملوں اور فوجی قوت کے استعمال میں تناسب کا اصول ہے۔ تیسرا اصول فوجی ضرورت سے متعلق ہے، چوتھا اصول احتیاط کا ہے۔ یہ اصول بین الاقوامی قانون انسانیت کے تمام اہم دستاویزات میں ذکر کیے گئے ہیں۔

یہ اصول عام حالات کے لیے ہیں جب کہ استثنائی صورتوں کے لیے مختلف احکام ہیں، جن میں دونوں نظاموں میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

دونوں نظاموں میں مماثلت کے بعد فرق یہ ہے کہ اسلام نے سب سے پہلے دنیا کو ان اصول سے روشناس کرایا، اس پر عمل کی درخشاں مثالیں پیش کیں۔ جب کہ اس کے برعکس انسانی حقوق کے علمبرداروں نے ان اصول کا خیال تو رکھا لیکن جہاں کہیں ان اصول کا ان کی

مفادات سے ٹھکراؤ ہوا تو ان اصول کو لائق اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ جس کا مشاہدہ مسئلہ فلسطین میں بھی پچھلے ایک سال سے زائد عرصے سے ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ جزئیات میں فرق ہے جس کا ذکر مقالہ میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات

1 https://www.britannica.com/event/World-War-I/Killed-wounded-and-missing.

2 https://www.britannica.com/event/casualties-of-World-War-II-2231003.

3 https://www.britannica.com/event/Battle-of-Stalingrad.

4 https://www.britannica.com/event/atomic-bombings-of-Hiroshima-and-Nagasaki/The-bombing-of-Nagasaki.

5-البقرۃ:216.

6-الصفّ:11.

- 7محمد ادریس کاندھلوی، سیرت المصطفیٰ، المطبعۃ السعودیۃ الاسلامیۃ لاہور، طبع اول 1400ء، ص:2/26-27۔

8- أ.د.راغب السرجاني، مقال بعنوان:"هل اتسمت حروب النبي محمد بالدموية؟"، متوفر على الرابط:
https://www.islamstory.com/ar/artical/388

9 International Committee of the Red Cross, Customary International Humanitarian Law, Volume I: Rules, Rule 1, available at: https://www.icrc.org/data/files/publications/ar/icrc_004_pcustom.pdf .

10 http://hrlibrary.umn.edu/arab/icrc4.html.

11 https://www.icrc.org/ar/resources/documents/treaty/protocol-i-additional-to-the-geneva-conventions.

12 Rome Statute of the International Criminal Court 1998, Article 8, available at: https://www.ohchr.org/ar/instruments-mechanisms/instruments/rome-statute-international-criminal-court.

13 - قاسمي آمال، الأسلحة المعززة بتقنيات الذكاء الاصطناعي في ضوء القانون الدولي الإنساني، المجلة الجزائرية للحقوق والعلوم السياسية، المجلد 8، العدد 1، 2023م، ص206-228.

14 International Committee of the Red Cross, Customary International Humanitarian Law, Volume I: Rules, Rule 14.

15 https://www.icrc.org/ar/resources/documents/treaty/protocol-i-additional-to-the-geneva-conventions.

16 https://www.icrc.org/ar/doc/resources/documents/misc/62tbyh.htm.

17 Rome Statute of the International Criminal Court 1998, Article 8

18 Al Mezan Center for Human Rights, International Humanitarian Law Series No. (2), Basic Principles of International Humanitarian Law, 2008, P. 4-7, available at: https://mezan.org/uploads/files/8791.pdf

19 http://hrlibrary.umn.edu/arab/icrc4.html.

20 https://www.icrc.org/ar/doc/resources/documents/misc/62tc8a.htm.

21 Asif Khan, Muhammad Abid Hussain Shah Jillani and Maseehullah, “Killer Robots and Their Compliance with the Principles of Law of War” (July 1, 2019).

22 https://www.icrc.org/ar/resources/documents/treaty/protocol-i-additional-to-the-geneva-conventions.

23 International Committee of the Red Cross, Customary International Humanitarian Law, Volume I: Rules, Rule 15.

24 Asif Khan, Muhammad Abid Hussain Shah Jillani and Maseehullah, “Killer Robots and Their Compliance with the Principles of Law of War” (July 1, 2019).

25-البقرۃ:190

26- أبوالحسين مسلم بن الحجاج القشيري(م:261هـ)، المسند الصحيح المُختصر من السنن بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم (صحيح مسلم)، دار الجيل بيروت، دار الأفاق الجديدة بيروت، ج5، ص139، رقم4619.

27- أبوداود سليمان بن الأشعث السجستاني(م:275هـ)، السنن، دار الكتاب العربي -بيروت، ج 2، ص 342، رقم 2616.

28-الإمام أحمد بن حنبل(م: 241هـ)، المسند، مؤسسة قرطبة -القاهرة، ج 1، ص 300، رقم 2728.

29-الإمام مالک بن أنس الأصبحي المدني(م:179ھ)، الموطأ، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحیاء التراث العربي -بیروت، 1406ھ، ج 2، ص 447، رقم 965.

30-رواہ أبو داود في سننہ، ج3، ص6، رقم2671.

31 - أبو عمر یوسف بن عبد اللہ، ابن عبد البر القرطبي(م: 463ھ)، التمہید لما في الموطأ من المعاني والأسانید، وزارۃ عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ-المغرب، 1387ھ، ج16، ص138.

32 - علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاساني الحنفي(م:587ھ)، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ1406ھ، ج7، ص101.

33-شمس الأئمۃ محمد بن أحمد بن أبي سھل السرخسي(م:483ھ)، شرح السیر الکبیر، الشرکۃ الشرقیۃ للإعلانات، سنۃ 1971م، ج 4، ص 108.

34-الفتح:25.

35-عبد الرحمن بن ناصر بن عبد اللہ السعدي(م: 1376ھ)، تیسیر الکریم الرحمن في تفسیر کلام المنان، المحقق: عبد الرحمن بن معلا، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الأولی، 1420ھ، ص 794.

36-أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقي(م:774ھ)، تفسیر القرآن العظیم، المحقق: سامي بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ 1420ھ، ج 4، ص 614.

37-النحل:126-127.

38 - أبو عبد اللہ محمد بن إسماعیل البخاري(م:256ھ)، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وسننہ وأیامہ (صحیح البخاري)، دار الشعب -القاھرۃ، الطبعۃ الأولی 1407ھ، کتاب الجھاد والسیر، باب:الحرب خدعۃ، ج4، ص77، رقم3030.

39- أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف النووي(م:676ھ)، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربي -بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، 1392ھ، ج12، ص45.

40-رواہ مسلم في الصحیح، ج5، ص144- رقم:4647.

41-أبو الفضل عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبي(م:544ھ)، إکمال المعلم بفوائد مسلم، المحقق: الدکتور یحیی إسماعیل، دار الوفاء -مصر، الطبعۃ الأولی 1419ھ، ج 6، ص 49.

42-وزارۃ الأوقاف والشؤن الإسلامیۃ-الکویت، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، طبعۃ الوزارۃ، 1427ھ، ج 16، ص 161.

43-التغابن:17.

44-محمد بن أحمد السرخسي، شرح السیر الکبیر، ج4، ص263.

45-أبو الولید محمد بن أحمد، ابن رشد القرطبي(م:595ھ)، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، دار الحدیث-القاھرۃ، 1425ھ، ج 2، ص 148.

46-أبو محمد موفق الدین عبد اللہ بن أحمد، ابن قدامۃ المقدسي(م:620ھ)، المغني، مکتبۃ القاھرۃ، 1388ھ، ج 9، ص 288.

47-البقرۃ:194.

48-النحل:126.

49-التوبۃ: 7.

50-الأنفال:61.

51 - أبو عیسی محمد بن عیسی الترمذي(م:279ھ)، السنن، تحقیق: أحمد محمد شاکر وآخرون، دار إحیاء التراث العربي -بیروت، أبواب السیر، باب الغدر، ج 4، ص143، رقم1580.

52-أحمد بن یحیی البلاذري، فتوح البلدان، القسم الثالث، مؤسسۃ المعارف بیروت، سنۃ1407ھ، ص: 187.

53- أحمد بن يحيى البلاذري، فتوح البلدان، القسم الخامس، ص:593.

54 - آل عمران:19.

55 - آل عمران:85.